تحریر: این میری شمل
ترجمہ: ڈاکٹر رؤف پاریکھ

کلامِ اقبال میں تصورِ ابلیس

جرمن مستشرق این میری شمل (۲۰۰۳ء۔۱۹۲۲ء) کا نام اسلام، تصوف اور اقبال کے تعلق سے معروف ہے اور ان موضوعات پر انھوں نے پچاس کے قریب کتابیں لکھیں۔ کئی زبانیں جانتی تھیں اور عربی، فارسی، اردو، سندھی اور ترکی زبان کی صوفیانہ شاعری کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ دنیا کی کئی معروف یونی ورسٹیوں مثلاً ہارورڈ یونی ورسٹی اور انقرہ یونی ورسٹی سے وابستہ رہیں۔ ایک ترک سے شادی کر لی تھی جو زیادہ عرصے قائم نہ رہ سکی (شنید ہے کہ مسلمان بھی ہوگئی تھیں)۔ ایک ادبی انعام وصول کرتے ہوئے انھوں نے ملعون رشدی کے خلاف اسلامی دنیا کے غم و غصے کو بجا قرار دیا تھا جس پر مغرب میں خاصا ہنگامہ بھی ہوا۔

زیرِ نظر تحریر ان کے انگریزی مضمون Iblees in Iqbal's poetry کا ترجمہ ہے۔ گو شمل صاحبہ کے بعض خیالات سے اختلاف کی گنجائش بہرحال رہے گی لیکن اس مضمون سے ان خیالات کے پس منظر پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اقبال کے ذہن میں تصوف اور صوفیوں کے خلاف شعر کہتے ہوئے رہے ہوں گے۔ ان اشعار کو اقبال نے بعض لوگوں، مثلاً خواجہ حسن نظامی، کے احتجاج کے بعد ''اسرارِ خودی'' کے دوسرے ایڈیشن سے خارج کر دیا تھا (ر۔پ)

اقبال کی شاعری کے سب سے دلربا کرداروں میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ وہی ابلیس جو ''بالِ جبریل'' کی ایک مشہور نظم میں فخریہ کہتا ہے کہ وہ دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ اسلامی روایات میں شیطان نے ہمیشہ ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن تصدیق کرتا ہے اس نے آدم کے آگے جھکنے سے انکار کیا اور بارگاہِ خداوندی میں مغضوب ٹھہرا۔ تاہم دوسری طرف بعض ایسی متصوفانہ تاویلات بھی ملتی ہیں، جن کی ابتدا، غالباً منصور حلاج سے ہوئی، جن سے ابلیس حق تعالیٰ کا ایسا سچا عاشق نظر آتا ہے جو اللہ سے اپنے ازلی عشق میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ کے سوا کسی اور کے آگے جھکنا نہیں چاہتا۔ ان تاویلات کی بازگشت [معروف فارسی شاعر] سنائی کی شاعری اور غزالی (متوفی ۱۱۲۶ء) کے اقوال میں سنائی دیتی ہے۔ یہ بازگشت برعظیم پاک و ہند تک بھی پہنچی اور سرمد (ان کو ۱۶۶۱ء میں مار دیا گیا) اور شاہ عبداللطیف بھٹائی (متوفی ۱۷۵۲ء) بھی عاشق عزازیل یا عاشق شیطان کا ذکر کرتے ہیں۔

شیطان سے متعلق اسلامی اور عیسائی روایات کا تانا بانا اقبال کے ہاں اس طرح بافت ہے کہ ایک بہت دلچسپ تصویر ابھرتی ہے۔ پروفیسر بوسانی ۱؎ نے اقبال کے ہاں تصورِ ابلیس کے پانچ پہلوؤں کی نشاندہی اپنے ایک اطالوی

مضمون میں بہت عمدگی سے کی ہے۔ بقول ان کے اول پرومیتھی ۲؎ پہلو جو اقبال نے غالباً ملٹن سے لیا ہے۔ دوم، اسلامی اور یہودی نقطۂ نظر جس کے مطابق شیطان اللہ کی مخلوق اور اس کا آلۂ کار ہے اور رہے گا۔ سوم، باطنی اور عیسائی تصورات جن کی ابتداء ایران میں ہوئی اور جن کے مطابق شیطان دنیا میں بذاتِ خود ایک قوت ہے ۳؎۔ چہارم، مشرق اور مغرب کی بعض متصوفانہ روایات جن کے مطابق شیطان اللہ کی صفتِ جلال کا مظہر ہے اور پانچواں اور آخری پہلو جس کے تحت شیطان ایک عملیت پسند سیاست دان ہے۔

اقبال کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے بھی شیطان کے موضوع سے ان کی دلچسپی عیاں ہے۔ لیکن اس ضمن میں اہم ترین ماخذ ''جاوید نامہ'' ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں ابلیس ایک ایسا موحد نظر آتا ہے، جس نے انکار کے پردے میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا ہے۔ یہ نظریات واضح طور پر منصور حلاج اور اس کے ایرانی مفسر روز بہان بقلی (متوفی ۱۲۰۹ء) ۴؎ کے خیالات سے جا ملتے ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں بھی بقلی کے خیالات بہت معروف رہے ہیں۔ ان کے ہاں ابلیس ایک ایسا عاشق نظر آتا ہے جو وصل کا خواہش مند نہیں بلکہ وہ سوزِ ہجر کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ طلب اور فراق کی تڑپ ہی سے یہ عاشق نامی مخلوق فعال رہتی ہے ۵؎۔ یہاں عاشق بے چارہ وہ مخلوق نظر آتا ہے جو اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے درمیان پس کر رہ گیا۔ ابلیس کو کیسے معلوم ہوتا کہ اللہ ایسا حکم بھی دیتا ہے یا نہیں جس کی تکمیل اس کی رضا نہیں ہے یا اس کی رضا وہ ہو سکتی ہے یا نہیں جس سے وہ منع کرتا ہے [یعنی شرک]؟ مگر یہاں ابلیس کی سوچ کا غلط ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ کوتاہ نظر ہے اور اپنی مصیبت کی وجہ تقدیر بتاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس کو ان لوگوں کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے جو اپنے غلط افعال کو مقدر کا لکھا کہہ کر اپنی روحانی ذمے داریوں سے بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ ابلیس مجسم حسد و رشک نظر آتا ہے۔ وہ ہزاروں سال تک کامل زہد و ریاضت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنے بلکہ فرشتوں کا معلم ہونے کے باوجود حسد کا شکار ہو گیا کیونکہ ابلیس کے مقابلے میں آدم [علیہ السلام] کو اللہ کا خلیفہ یا نائب ہونے کا برتر مقام عطا کر دیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ ابلیس یک چشم 'قیاس' کا بھی نمائندہ ٹھہرتا ہے کیونکہ اس نے خود کو اس بنیاد پر آدم [علیہ السلام] سے برتر گردانا کہ میری تخلیق کا عنصر آگ آدم کے تخلیقی عنصر، یعنی خاک، سے برتر ہے حالانکہ آگ کی طرح خاک یا آب میں بھی اللہ کا پرتو موجود ہے لیکن اس مشابہت کو ابلیس نہ دیکھ سکا۔

اقبال کے ہاں ابلیس جب ''جاوید نامہ'' میں ''فلکِ مشتری'' میں اپنی تاریک قبا میں سامنے آتا ہے تو اداس نظر آتا ہے۔ یہ رجحان بھی اسلامی متصوفانہ روایات میں بہت معروف ہے لیکن یہ بھی نطشے کے ہاں موجود ہے۔ نطشے شیطان کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ایسی بوجھل روح ہے جس سے ہر شے کا زوال پذیر ہونا لازمی ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں ابلیس شکایت کناں ہے کہ انسان ارادتاً اس کی تحریصات پر کان دھرتا ہے، یہ تو انسان کا فرض ہے کہ وہ مجھ سے بچنے کی کوشش کرے اور مجھ پر غالب آئے۔ گویا شیطان ایک فعال قوت ہی نہیں بلکہ قوتِ محرکہ بھی بن کر سامنے آتا ہے اور یہ قوت دنیا کے ارتقاء کے لیے بالعموم اور انسان کے ارتقاء کے لیے بالخصوص درکار ہے۔ یہ شیطان ہی تو ہے جو انسان کو جنتِ اصلی کے باغ سے نکلواتا ہے اور اسے دنیا میں بھجواتا ہے۔

اقبال کی عظیم نظم ''تسخیرِ فطرت'' (پیامِ مشرق) میں اس کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اقبال کے ہاتھوں

شیطان کی اس تصویر کشی کے بارے میں وہی کہا جاسکتا ہے جو ملٹن کے عزازیل (Lucifer) بارے میں کہا گیا ہے یعنی یہ کہ اس نے حد سے تجاوز کیا اور وہ گناہ گار ہے۔ تاہم وہ انسان کی ان خواہشات کا نمائندہ بھی ہے جو وہ اپنی ہستی کو اعلیٰ سطحوں تک پہنچانے کے لیے دل میں رکھتا ہے۔ جیسا کہ گوئٹے نے کہا ہے شیطان غلطی کا مظہر ہے لیکن یہ غلطی وہ ہے جو انسان کی روحانی پختگی کے لیے ضروری ہے۔ اگر اس زاویے سے دیکھا جائے تو شیطان کے بارے میں تاثر دو مختلف قسموں کا ہو جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ شیطان اساسی برائی کی قوت نظر آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ شیطان اس ذہانت کا نمائندہ بن کر ابھرتا ہے جو انتشار کی قوتوں پر غالب آنے میں انسان کی مدد کرتی ہے یعنی انسان کو اس کے اعلیٰ ترین مقصد کے حصول میں کام آتی ہے اور وہ اعلیٰ ترین مقصد ہے انسان کے انفرادی تشخص کی تشکیل۔ ذہانت کا نمائندہ ہونے کی صورت میں شیطان کی شخصیت کے پھر دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ اولاً، یہ وہ قوت ہو سکتی ہے جو انسان کی اسفل جبلتوں کے انتشار کو قدم بہ قدم ختم کرتی ہے یا دوسرے لفظوں میں انسان کو رفعت عطا کرتی ہے۔ ثانیاً، یا پھر شیطان ایک ایسی بے مہر و محبت دانش ہے جو اپنے "سر" سے اپنا دفاع کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ابلیس یا شیطان کی علامت کے طور پر سانپ کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

لیکن شیطان اگر ایک طرف خطرناک لیکن ضروری ذہانت ہے تو دوسری طرف وہ اس انتشار اور ان بے لگام جبلتوں کی قوت کی علامت ہے جن پر انسان کو غالب آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ابلیس کے کردار کا یہی پہلو مسلمان صوفیوں کے لیے سب سے زیادہ جانا پہچانا رہا اور اس کے لیے انھوں نے رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی حدیث [مبارکہ] "اسلمہ شیطانی" (مصنفہ کا کیا ہوا ترجمہ: میرا شیطان مجھ سے مغلوب ہو گیا یا مسلمان ہو گیا) سے استنباط کیا۔ جس سے مراد یہ ہے کہ نبی [صلی اللہ علیہ وسلم] نے اپنی جبلتوں کو اس طرح زیر کر لیا تھا کہ وہ زندگی کی جد و جہد میں انؐ کے لیے ایک مفید آلہ بن گئی تھیں۔ گویا "انسانِ کامل" نے اور عشق حقیقی کی قوتوں نے شیطان کو اس طرح مغلوب کیا کہ وہ قوت "مومنِ کامل" کی صورت میں ظاہر ہوئی اور انسان کی مددگار بن گئی، جیسا کہ مولانا روم بھی اپنی مثنوی میں اسی طرح کی بات کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "جاوید نامہ" اور "تسخیرِ فطرت" میں ابلیس انسان سے کہتا ہے کہ مجھے مغلوب کر لو۔ بالکل اسی طرح جس طرح نطشے اور ویلری [۶] کی تحریروں میں شیطان "انسانِ کامل" کا "صید" ہونا چاہتا ہے۔ یعنی شیطان اس انسان کے آگے سجدہ ریز ہونے اور اس سے مغلوب ہونے کو تیار ہے جو کامل ہو چکا ہے اور جس کے آگے اس نے اس وقت جھکنے سے انکار کیا تھا جب وہ خام اور "نوجوان" تھا۔ انسان کو بہکانے والی قوت کی حیثیت سے ابلیس اقبال کے نزدیک خوبصورت متصوفانہ خوابوں اور افیون جیسی شاعری کا پرچارک ہے۔ مثال کے طور پر جاوید نامہ کا وہ منظر دیکھیے جس میں ابلیس زرتشت کو باہر جانے اور تبلیغ کرنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ابلیس ترکِ دنیا کا پرچارک ہے چنانچہ وہ اقبال کے لیے ایک ایسے تصوف اور صوفیانہ ادب پر نکتہ چینی [۷] کا ذریعہ بن جاتا ہے جو عمل اور زندگی کی حرارت سے تہی ہو کر رہبانیت کا پرچارک اور زوال آمادہ ہے۔

"جاوید نامہ" میں ابلیس "فلک زہرہ" میں پھر نمودار ہوتا ہے۔ یہاں ابلیس ان پرانے دیوتاؤں کا مسرور سربراہ نظر آتا ہے جن کو یورپی ماہرین آثارِ قدیمہ نے ان کے مقابر سے کھود نکالا ہے۔ یہ دیوتا معبودِ باطل "بعل" [۸] کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کے اللہ کی وحدانیت کے راسخ عقیدے کے لیے خطرہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا یورپی ماہرین آثارِ قدیمہ کو مشرقِ وسطیٰ میں شیطانی قوتوں کے احیاء کا ذمہ دار قرار دینا اقبال کے تصورِ ابلیس کے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہاں شیطان سے اقبال کی مراد سیاسی شیطان ہیں۔ گویا شیطان مختلف یورپی باشندوں کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، چاہے وہ یورپی مرد ہوں یا عورتیں دراصل وہ یہاں شیطان ہی کے مختلف روپ ہیں۔ اس کی بہترین عکاسی اقبال کے ہاں ایک تو "جاوید نامہ" میں "فلک مریخ" میں دوشیزۂ مریخ [۹] کے کردار میں ملتی ہے جس نے دعوائے رسالت کیا۔ یہ دراصل یورپی عورت کے بے مہر و محبت روّیے کی تجسیم ہے۔ دوسرے مس افرنگین کے کردار میں جو یہودا استریوطی [۱۰] سے گفتگو کرتی ہے اور وہ اس پر ہر لمحے یسوع کی روح فروخت کرنے کا الزام لگاتا ہے۔ اقبال نے ہمارے عہد کے سیاست دانوں کو اس وقت شیطان کے پیغمبر کہا تھا جب وہ کیمبرج میں طالب علم تھے اور یہ خیالات انھوں نے اپنے بعد کے دور کے کلام میں بھی پیش کیے۔ اس دور میں یہ خیالات "ابلیس کی مجلس شوریٰ" اور دیگر نظموں میں ملتے ہیں۔ یہ کلام ان شیطانی قوتوں کے خلاف ہے جو مسلمانوں کو مختلف ذرائع سے بہکانے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ایک خدا کی حاکمیت کی بجائے ان شیطانی قوتوں کی اپنی حاکمیت قائم ہو سکے۔

> جاوید نامہ" میں ابلیس ایک ایسا موحد نظر آتا ہے جس نے انکار کے پردے میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا ہے۔ یہ نظریات واضح طور پر منصور حلاج اور اس کے ایرانی مفسر روز بہان بقلی (متوفی ۱۲۰۹ء) کے خیالات سے جا ملتے ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں بھی بقلی کے خیالات بہت معروف رہے ہیں

اقبال کی شاعری میں ابلیس محض دانشور نہیں ہے، محض مادہ پرست نہیں ہے، محض معتقدِ جبریت نہیں ہے یا محض آدم کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اقبال کے ہاں ابلیس کے کردار کی بنت کئی رنگ کے دھاگوں سے مل کر ہوئی ہے۔ یہ رنگ مسلمان صوفیوں اور یورپی مفکرین (جیکب بوہیم، گوئٹے، ملٹن، نطشے) کی کتابوں سے لیے گئے ہیں اور آخرکار شیطان اقبال کے ہاں مغرب کی بے مہر و محبت دنیا پر نکتہ چینی کے لیے ایک موزوں علامت بن کر آتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اقبال، جن کا تصورِ ابلیس اسلامی، عیسائی اور یہودی روایات سے مشتق ہے، ابلیس کو محض برائی کے طور پر پیش نہیں کرتے نہ ہی وہ اسے خدا کا دشمن قرار دیتے ہیں بلکہ اقبال کے نزدیک ابلیس انسان کا دشمن ہے۔ ایک ایسی قوت ہے جس کے خلاف جد و جہد کر کے انسان نمو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم اس قوت کو انتشار کی تاریک تانیثی طاقت سمجھیں جس کو مسخر کرنا ضروری ہے یا عزازیلی ذہانت کا ایک ایسا تیّن اور مذکر عنصر گردانیں جو انسان کی انفرادیت کی تشکیل کے لیے ضروری ہے اور جو بے قابو ہو کر حد سے زیادہ نمو پا جائے تو ایک خود مختار طاقت بن جائے [۱۱]۔

شیطان کو ہم ایک ایسی قوت بھی خیال کر سکتے ہیں جو ہمیں بہکا کر بے مقصد خوابوں، متصوفانہ داخلیت اور غیر سماجی روّیے میں الجھانے کی کوشش کرتی ہے یا ایک ایسی تہذیب کا محافظ بنانے کی کوشش کرتی ہے جو خدا کی محبت سے عاری ہے۔ ان تمام صورتوں میں ابلیس انسان کا ایک ایسا ناگزیر ساتھی ہے جس کو مغلوب کرنا ضروری ہے تاکہ انسان "انسانِ کامل" بن سکے اور اس انسانِ کامل کا نمونہ پیغمبرِ اسلام [صلی اللہ علیہ وسلم] کی ذات [بابرکات] ہے۔

حواشی

۱۔ معروف اطالوی مستشرق السانڈرو بوسانی (Alessandro Bausani) (۱۹۸۸ء۔۱۹۲۱ء) کو مشرقی ادبیات اور السنہ کے علاوہ مذاہب سے بھی دل چسپی تھی۔ عربی، فارسی اور اردو کے

علاوہ دیگر کئی زبانیں جانتے تھے۔ اسلام اور فارسی ادبیات پر خاصا کام کیا۔ اقبال پر بھی لکھا۔ بہائی تعلیمات سے متاثر ہوکر آبائی مذہب عیسائیت کو چھوڑ دیا اور بہائیت اختیار کر لی۔ قرآن شریف کا اطالوی میں ترجمہ کیا جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس پر بھی بہائیت کے اثرات ہیں۔ گو بعد میں اطالوی میں قرآن کے اور بھی تراجم کیے گئے لیکن بوسانی کا ترجمہ اب بھی زبان کے حسن کی وجہ سے اہم سمجھا جاتا ہے (مترجم)۔

۲۔ پرومیتھی (Promethean) سے مراد ہے پرومیتھس (Prometheus) کا یا اس سے منسوب، نیز جرأت مندانہ۔ پرومیتھس یونانی علم الاصنام میں ایک نیم دیوتا ہے۔ روایت کے مطابق اس نے دیوتاؤں سے آگ چرا کر بنی نوع انسان کو دے دی تھی (مترجم)۔

۳۔ زرتشتی عقائد میں اسے ''اہرمن'' بھی کہا گیا جو ''یزداں'' کا متضاد ہے (مترجم)

۴۔ ابومحمد بن ابونصر روزبہان بقلی شیرازی دیلمی (۱۲۰۹ء۔۱۱۲۸ء) ایک صوفی اور شاعر تھے۔ وہ روزبہان بقلی فسائی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ (مترجم)

۵۔ اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں ''فلک مشتری'' کے ایک حصے میں ابلیس کی آمد کو ''نمودار شدن خواجۂ اہلِ فراق ابلیس'' کہہ کر متعارف کرایا ہے اور رومی کے الفاظ میں اسے خواجۂ اہلِ فراق اور سراپا سوز کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

گفت رومی خواجۂ اہلِ فراق
آں سراپا سوز و آں خونیں ایاق
(مترجم)

۶۔ پال ویلری (Paul Valery): (۱۹۴۵ء۔۱۸۷۱ء)، فرانسیسی شاعر، نثر نگار اور فلسفی (مترجم)۔

۷۔ اقبال نے اس تصوف اور اس صوفیانہ ادب پر تنقید کی تھی جس کی حیثیت محض علامتی رہ گئی تھی اور جو بے عملی کی تعلیم دیتا (مترجم)۔

۸۔ بعل: بعض قدیم اقوام کا معبودِ باطل۔ نیز حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم کا بت (مترجم)۔

۹۔ دوشیزۂ مریخ: اقبال نے ''جاوید نامہ'' کے جس حصے میں دوشیزۂ مریخ کا ذکر کیا ہے وہاں ''احوالِ دوشیزۂ مریخ کہ دعوائے رسالت کردہ'' اور ''تذکیر نبیۂ مریخ'' کے عنوانات قائم کیے ہیں (مترجم)

۱۰۔ یہوداا سقریوطی (اسقریوطی کے دیگر املا بھی ہیں، مثلاً اسکریوتی، اسخریوطی): اس کے بارے میں بعض روایات میں ہے کہ وہ مسیح کے حواریوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بے وفائی کی تھی (مترجم)۔

۱۱۔ مصنف کی تحریر میں یہاں اغلاق ہے، اسی لیے ترجمہ بھی مغلق محسوس ہوتا ہے۔ (مترجم)

☆☆☆

شہزادہ خاکسار محمد فیاض ننکانہ صاحب

دانائے راز ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال

میری تمام سرگزشت

علامہ اقبال کشمیری الاصل تھے۔ ان کے بزرگوں کا تعلق کشمیر کے سپرو خاندان سے تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کے بزرگ برہمن تھے۔ جنھوں نے سترھویں صدی عیسوی میں ایک ولی اللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اقبال کے دادا محمد رفیق اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آ کر آباد ہوئے۔ اقبال کے والد نور محمد (۱۸۳۷ء۔ ۱۷۔اگست ۱۹۳۰) یہیں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام امام بی بی (الغایت: ۹ نومبر ۱۹۱۴ء عمر: ۷۸ سال) تھا۔

عمر ہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اقبال نے سیالکوٹ میں جنم لیا۔ والدہ نے ''محمد اقبال'' نام رکھا۔ تاریخ پیدائش نزاعی ہے۔ اقبال کی بیشتر سوانح عمریوں میں ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء ہی تاریخ پیدائش ملتی ہے، مگر جدید تحقیق کے مطابق علامہ اقبال کا یومِ پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (۳، ذیقعد ۱۲۹۴ھ) بروز جمعۃ المبارک ہے۔ آپ کے بڑے بھائی کا نام شیخ عطا محمد (۱۸۵۹ء۔۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء) ہے۔ ایک اور بڑے بھائی بھی تھے جو صغرسنی میں انتقال کر گئے۔ آپ کی چار بہنیں تھیں۔ کریم بی بی، طالع بی بی، زینب بی بی اور فاطمہ بی بی۔ کریم بی بی ان سے چھوٹی تھیں۔ طالع بی بی ان سے عمر میں بڑی تھیں۔ طالع بی بی ۱۳ جولائی ۱۹۰۲ء اور کریم بی بی ۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو فوت ہوئیں۔

اقبالؒ نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی کریم بی بی (۱۸۷۴ء۔۱۹۴۶ء) سے ۵ مئی ۱۸۹۳ء کو میٹرک کے رزلٹ کے دن ہوئی۔ اس سے دو بچے آفتاب اقبال (بیٹا) اور معراج بیگم (بیٹی: بچپن میں انتقال ہو گیا) پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں دوسرا نکاح سردار بیگم (وفات مئی ۱۹۳۵ء) سے ہوا۔ رخصتی بعد میں ہوئی۔ اس سے بھی دو بچے جاوید اقبال (۵۔اکتوبر ۱۹۲۴ء۔۳۔اکتوبر ۲۰۱۵ء) اور منیرہ بانو (پیدائش ۳۰۔اگست ۱۹۳۰ء) پیدا ہوئے۔ تیسری شادی لدھیانے میں مختار بیگم سے ۱۹۱۳ء میں کی، جو ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو پہلے ہی بچے کی پیدائش پر دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی کوئی اولاد نہیں۔ اقبال کو ان کی مفارقت کا بے حد صدمہ پہنچا۔

شیخ نور محمد دیندار اور درویش منش انسان تھے۔ جب اقبال بسم اللہ کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد انھیں اپنے ایک دوست مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے، جو محلّہ شوالہ کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ یہاں اقبال کی قرآنی تعلیم کا سلسلہ تقریباً سال بھر چلتا رہا۔ ایک دن شہر کے نامور عالم سید میر حسن

علامہ اقبال کے والدین

(۱۸۴۴ء۔۲۵ ستمبر ۱۹۲۹) کی نظرِ انتخاب اقبال پر پڑی۔ انھوں نے آپ کی عظمت اور سعادت کو پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا، اور اقبال کے والد جو اُن کے دوست تھے۔ ان کے پاس گئے۔ انھیں بچے کی جدید تعلیم پر آمادہ کیا اور بہ صد اصرار اقبال کو اپنے مکتب میں ڈال لیا۔ ان کا مکتب شیخ نور محمد کے گھر کے قریب ہی کوچۂ میر حسام الدین میں تھا۔ یوں آپ تین سال تک محلّہ کشمیریاں کی مسجد میر حسام الدین میں اپنے عظیم استاد سے اُردو، عربی اور فارسی ادب پڑھتے رہے۔ اسی دوران میں سید میر حسن نے اسکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں